بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

جس طرح خس و خاشاک کی خفیف سی خفیف حرکت کو دیکھ کر ہوا کے رُخ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح زندگی کے معمولی واقعات کا مطالعہ و مشاہدہ ہمیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کسی فرد یا قوم کے مزاج کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اُس کی زندگی کے غیر معمولی واقعات پر ہی غور کیا جائے بلکہ بسا اوقات حیاتِ انسانی کے غیر اہم گوشے حقیقت کو بے نقاب کرنے میں بہت بڑی مدد دیتے ہیں۔ بلکہ اب تو ماہرینِ نفسیات نے بڑے ٹھوس اور واضح دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانی زندگی خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اُس کو صحیح طور پر جانچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی توجہ صرف اُن افعال و اعمال کے غور و فکر پر صرف کریں جو کسی انسان یا قوم سے غیر ارادی طور پر سرزد ہوتے ہیں اور جن کے سوتے شعور سے نہیں بلکہ لاشعور کی اتھاہ گہرائیوں سے اُبلتے ہیں۔

آپ اگر اس نقطۂ نظر سے قوم اور اس کے اصحابِ اختیار کی حرکات و سکنات اور اُن کی نجی اور بے تکلفانہ گفتگوؤں کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حمیت نام ہے جس کا وہ اب پاکستان کی سرزمین میں دم توڑ رہی ہے۔ یہاں سے ہزاروں افراد ہر سال بھارت جاتے ہیں، وہاں کی لچر فلمیں دیکھتے ہیں اور اُن لوگوں کی مہمان نوازی سے سرفراز ہوتے ہیں جن کے قبضے میں ابھی تک ہماری ملت کی لاتعداد بیٹیاں نہایت ہی

کس مپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ان زندہ درگور لاشوں پر جو کچھ بیت رہی ہے اُس کے تصور سے ہی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن ان بھارت یاترا کرنے والوں کو کبھی اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس کے ہاں عفت و عصمت کی کبھی بڑی قدر تھی اور مظلوم بہن کی ایک چیخ سے ایوانِ حکومت کے در و بام ہل جایا کرتے تھے اور فرمانروا سے لیکر ملت کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فرد اُس کی دادرسی کے لیے دیوانہ وار آگے بڑھتا تھا۔ دُور نہ جائیے خود اسی نیم برِاعظم کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ محمد بن قاسم اور اس کے رفقاءِ کار کو اس سرزمین کی طرف ملت کی چند بیٹیوں کے نالہ و فریاد نے ہی آنے پر مجبور کیا اور انہوں نے اُس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ ظالموں کے پنجۂ استبداد سے انہیں رہائی نہ دلا دی۔ مگر آج خدا جانے ہماری غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔

یہ بے حسی ملک کے جس طبقے میں بھی ہو بہر حال کسی ملت کے لیے کوئی نیک فال نہیں ہوتی لیکن برسرِ اقتدار گروہ کی بے حمیتی پوری قوم کو رسوا اور ذلیل کر کے رکھ دیتی ہے۔ ہمارے ملک کا برسرِ اقتدار طبقہ آئے دن جس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکات کرتا رہتا ہے اُس سے نہ صرف اُس کے صحیح مزاج کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ قومی وقار کو بھی شدید نقصان پہنچتا ہے۔ ایک مسلمان قوم کے لیے ماہ صیام جس عزت و احترام کا حامل ہے اُسے پوری دنیا جانتی ہے لیکن حکومت کے ایوانوں میں اس مقدس مہینہ کی تقدیس کو جس انداز سے پامال کیا جاتا رہا اُس کا اندازہ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی چھان بین یا تجسس کی ضرورت نہیں آپ صرف اُن خبروں پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال لیں جو محکمہ تعلقاتِ عامہ کی چھلنی میں سے چھن چھن کر اخبارات کی زینت بن چکی ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک خبر یہ ہے کہ جب سردار سورن سنگھ بھارتی وفد کے قائد کی

حیثیت سے ہوائی جہاز سے نیچے اُترے تو پاکستان کے وزیر خارجہ نے اُن کی خدمت میں شربت کا ایک گلاس پیش کیا۔ اس پر سردار صاحب نے برجستہ کہا "میں نے جس ملک کی سرزمین میں قدم رکھا ہے اُس میں آج کل ماہ رمضان کی وجہ سے دن کے وقت کھانا پینا ناجائز ہے۔ اس لیے یہ مناسب نہیں کہ میں عوام کے جذبات اور احساسات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ جسارت کروں" سردار صاحب کے یہ الفاظ سن کر بھٹو صاحب کو اپنی اس حرکت پر سخت نادم ہونا چاہیے تھا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے پھر بڑے اصرار کے ساتھ اس گلاس کو اُن کی خدمت میں پیش کیا۔

قومی زندگی میں بظاہر یہ معمولی سا واقعہ ہے لیکن اس سے ہمارے ارباب بست وکشاد کی ذہنیت کا صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سردار صاحب کے دل میں اس مبارک مہینے کے لیے کوئی جذبۂ احترام ہو یا نہ، یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن اُن کا ایک مسلمان وزیر کو اس امر کی طرف توجہ دلانا کہ اس مہینہ میں انہیں یہ حرکت کسی صورت بھی زیب نہیں دیتی، ہمارے قومی کردار پر ایک بھرپور طنز ہے۔ ایک ایسی طنز جس کی چوٹ کو ممکن ہے بھٹو صاحب اور اُن کے ہم مشربوں نے قطعاً محسوس نہ کیا ہو لیکن اس ملک کے ہر غیرتمند شخص نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ یہ طنز نہیں تھی بلکہ ایک نشتر تھا جسے ہمارے دل میں چبھو کر ہمارے قومی وقار کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی اور ہمیں یہ احساس دلایا گیا کہ اب ہم دنیا کی وہ بے حس قوم بن گئے ہیں جس کے اندر کوئی قومی خودداری اور کوئی ملی امتیاز باقی نہیں رہا۔

یہ واقعہ ہماری ملی زندگی کا کوئی ایک واقعہ نہیں بلکہ ہماری جماعتِ اجتماعی اب جس ڈگر پر چلائی جارہی ہے اُس میں اس قسم کے واقعات معمول کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ہمارے

ہاں بڑی بے تکلفی کے ساتھ سرکاری سرپرستی میں کرکٹ میچ اور اسی طرح کے کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ غیر ملکی مہمانوں کو بڑی آزادی کے ساتھ دعوتیں دی جاتی ہیں اور انکی طرف سے دعوت کا معمولی سے معمولی اشارہ پاکر ہم فوراً بھاگ اٹھتے ہیں جیسے کہ ہم برسوں سے اسی ایک منظر کیلئے پا بہ رکاب تھے۔ ہمارے دماغ اب اتنے ماؤف اور ہمارے احساسات اب اتنے مردہ ہو چکے ہیں کہ ہم یہ سوچ بھی نہیں پاتے کہ ہمارے کوئی دینی شعائر بھی ہیں جن کا ادب و احترام ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔

آپ اگر اس افسوسناک صورتِ حال کا ذرا گہرائی میں اتر کر مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بیماری کی اصل جڑ وہ احساس کمتری ہے جو اس ملک کے مغرب زدہ طبقہ کے اندر برسوں سے پرورش پا رہا ہے۔ اس طبقہ نے مغربی تہذیب و تمدن کی آغوش میں آنکھ کھولی پھر اسی کے سایۂ عاطفت میں وہ پل کر جوان ہوا۔ اسی کے پیش کردہ افکار و نظریات سے اس نے اپنے فکری سانچے تیار کیے، اسی سے اس نے عادات و اطوار کا درس حاصل کیا الغرض اس کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اس نے پوری طرح پورے اخلاص اور اعتماد کے ساتھ اس سے رہنمائی حاصل نہ کی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ طبقہ معتقدات، احساسات و جذبات اور مزاج کے اعتبار سے بالکل فرنگی ہے اور اسے یہ روش اتنی عزیز ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کے لیے کوشاں رہتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جس سے اس کی اس تہذیب کے ساتھ مخلصانہ وابستگی پر کوئی حرف آتا ہو اور کسی مغربی کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ اس میں "رجعت پسندی" کے ابھی کچھ آثار باقی ہیں۔

شعائرِ دین سے یہ بے توجہی اور مغربی اقدارِ حیات سے یہ شیفتگی صرف اس لیے ظاہر کی جاتی ہے کہ ان کے اور ہمارے درمیان "من و تو" کے جو حجابات حائل ہیں وہ سراسر ختم ہو جائیں اور ہم کسی طرح اپنے ان فرنگی آقاؤں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائیں کہ یہ تلی امتیازات

جن کے وہ اکثر تذکرے سنتے رہتے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ ہم سے بُعد اور بیگانگی محسوس کرتے ہیں، یہ صرف چند تنگ نظر اور تاریک خیال لوگوں کے بوسیدہ تصورات ہیں جن کی ہمارے ہاں اب کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ ہم درحقیقت انہی افکار و اعمال کے پرستار ہیں جو تمہارے اندر رائج ہیں۔ تمہاری تہذیب ہی ہماری تلی آرزوؤں اور تمناؤں کی مرکز و محور ہے اور اسی سے روشنی حاصل کر کے ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو منور کرنا چاہتے ہیں۔ "ہماری اور تمہاری جدائی" کی خبر بالکل بے بنیاد ہے بلکہ یہ ایک ہوائی ہے جسے کسی دشمن نے محض رقابت کے جذبہ میں اڑا دیا ہے۔ تمہیں ایسی خبروں پر قطعاً توجہ نہ دینی چاہیے بلکہ ہمارے ساتھ اس اندازہ سے وابستہ ہونا چاہیے۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

گزشتہ دو تین ماہ سے مسئلہ کشمیر پر جس انداز سے اور جس قسم کے حالات کے تحت اینگلو امریکن بلاک کی براہِ راست نگرانی میں گفتگو ہو رہی ہے اس پر ملک کا ہر بہی خواہ مضطرب اور پریشان نظر آتا ہے۔ یہ گفتگو نہ صرف ہمارے سیاسی تدبر کا امتحان ہے بلکہ ہمارے اخلاق کی بھی نہایت ہی کڑی آزمائش ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے رفقاء کار نے گزشتہ پندرہ سالوں میں جس قسم کی بدعہدی کی ہے اور جس اخلاقی گراوٹ کا ثبوت دیا ہے وہ تاریخ کا ایک نہایت ہی شرمناک باب ہے۔ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقتدار کے نشے نے ان لوگوں کو اس حد تک دیوانہ بنا دیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کے دُنیوی اخلاقی نتائج سے یکسر غافل ہو چکے ہیں اور اس حقیقت کو بالکل فراموش کر چکے ہیں کہ قوموں کے عروج و زوال میں صرف فوج اور اسلحہ ہی فیصلہ کن قوت نہیں ہوتی بلکہ اس میں اخلاقی اقدار بھی بڑے مؤثر طریق سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ اگر مادی قوت اور طاقت ہی تعمیر و ترقی کا واحد زینہ ہوتا تو جو قومیں ایک مرتبہ بامِ عروج پہ پہنچ چکی تھیں انہیں